

شعر

ڈاکٹر ڈیوڈ ڈاؤہوائی جہاز میں اہلیہ کے ساتھ بڑے آرام سے بیٹھ چکا تھا۔ امریکہ میں شگا گوائی پورٹ سے جہاز لاوز ویلا جانے کیلئے تیار تھا۔ ڈیوڈ کا تعلق چین سے تھا مگر عرصے سے امریکی شہریت حاصل کر چکا تھا۔ عملی طور پر اب امریکی شہری تھا۔ تمام حقوق اور فرائض کے ساتھ۔ یہ الگ بات تھی کہ اپنے اکٹر فرائض میں مسلسل ناکام ہوتا چلا آ رہا تھا۔ ڈیوڈ کے ذہن میں اگلے روز کے مرتضویوں کی فہرست تھی جو اس نے دیکھنے تھے۔ اچانک جہاز میں اعلان کیا گیا کہ یونائیڈ ڈائیر لائنز کے اہلکاروں نے اسی فلاٹ پر سفر کرنا ہے، لہذا اچار مسافروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ اپنی نشانیں چھوڑ کر باہر آ جائیں۔ اسکے عوض انہیں آٹھ سوڈال، ہوٹل میں کمرہ اور اگلے دن تین بجے کے جہاز میں سفر کروا جائیگا۔ دو مسافر تیار ہو گئے اور نشانیں چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ اب مسئلہ صرف اور صرف دونوں نشانیوں کا رہ گیا۔ کوئی مسافر بھی باہر جانے کیلئے تیار نہیں تھا۔ یونائیڈ ڈائیر لائنز کے عملے نے فیصلہ کیا کہ زبردستی دو مسافروں کو باہر نکالے گا۔ ایئر لائنز اور ایئر پورٹ کے عملے کے تین اہلکار ڈاکٹر ڈیوڈ کی سیٹ پر آئے اور ہوائی جہاز سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ ڈاؤنے بتایا کہ وہ ایک معاملہ ہے اور اسے اگلے دن مریض دیکھنے ہے۔ لہذا اپنے شہر تک آج پہنچنا ضروری ہے۔ یونیفارم میں ملبوس اہلکاروں نے دلیل ماننے سے انکار کر دیا۔ ڈیوڈ ڈاؤنے بھی جہاز سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ اہلکاروں نے زبردستی ڈاکٹر کو نشانت سے نیچے گھسیتا اور دروازے کی طرف یجائے۔ ڈاؤنے کا سرا ایک سیٹ کے سخت حصے سے ٹکرایا اور منہ سے خون نکلنے لگا۔ اس نے چینیں مارنی شروع کر دیں۔ پکار کے باوجود اسے زبردستی جہاز سے باہر نکال دیا گیا۔ بلکہ باہر پہنچنک دیا گیا۔ فرش پر زبردستی گھسٹنے سے زخمی بھی ہو گیا۔ جہاز میں بیٹھے ہوئے ایک مسافرنے واقعہ کی فون سے ویڈیو بنائی اور اسی وقت ٹوٹ پر ڈال دیا۔ ایک ڈیر ٹھمنٹ کی یہ ویڈیو منٹوں میں پوری دنیا میں واڑل ہو گئی۔ ابھی جہاز نے پرواز شروع نہیں کی تھی کہ پورے امریکہ میں کھرام مجھ گیا۔ سوچل میڈیا پر قیامت برپا ہو گئی۔

امریکہ میں یونائیڈ ڈائیر لائنز کے خلاف سوچل میڈیا پر ایک موثر جنگ شروع ہو گئی۔ ایک فلاہی تنظیم نے فضائی کمپنی کے ناروارویے کے خلاف درخواست ٹوٹ پر ہی پوسٹ کر دی۔ ساٹھ منٹ میں ہزاروں آدمیوں نے درخواست پر دستخط کر دیے۔ سوچل میڈیا پر اس غیر انسانی سلوک کے خلاف باقاعدہ ایک مہم چل پڑی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آگے کیا ہوا۔ کمپنی کے حصص ایک دن میں چار فیصد گر گئے۔ کمپنی کو صرف چند گھنٹوں میں ڈھانی ہزار کروڑ روپے کا نقصان ہو گیا۔ لاکھوں مسافروں نے یونائیڈ ڈائیر لائنز کے ٹکٹ کینسل کروادیے۔ کمپنی کے مالکان کو کچھ علم نہیں تھا۔ لیکن اتنا بڑا مالی نقصان انکے تصور سے بھی باہر تھا۔ وہ بھی ایک دن یا چند گھنٹوں میں۔ کمپنی کے سی ای او کو حکم دیا گیا کہ ٹوٹ وی پر جا کر سارے واقعہ کی وجوہات بیان کرے اور مذمت کرے۔ کمپنی کے اعلیٰ عہدیداروں نے ٹوٹ وی پر جا کر معافی مانگی۔ عام لوگوں نے مذمت، معافی یا تلافی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جن اہلکاروں نے ڈاکٹر ڈاؤنے کو زبردستی جہاز سے باہر نکالا تھا، انکو جری رخصت پر بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر ڈاؤنے کے وکلاء نے فضائی کمپنی کے خلاف ہرجانے کا اعلان کر دیا۔ اسکا تخفیف کا پاکستان کی کرنی کے حساب سے کروڑوں روپے بنتا ہے۔ معاملہ ختم نہیں ہوا۔ ریاست کے گورنر نے ایئر لائنز کو قانون سے تجاوز کرنے کا

نوٹس لے لیا اور خلاف قانون سے تجاوز کرنے کے جرم میں تفتیش شروع ہو گئی۔ یہ واقعہ چند دن پہلے کا ہے۔ یونائیڈ ائر لائنز آج تک اس بھر ان سے نکل نہیں پائی۔

پورے معاملہ کا ایک مختلف پہلو بھی ہے۔ ڈاکٹر ڈاؤڈ ہائیوں سے اپنی مجرمانہ حرکتوں کی وجہ سے زیر عتاب ہے۔ وہ برس سے مختلف طبی جرائم کی بدولت اسے ایک واچ لسٹ پر کھا گیا ہے۔ پریکٹس کرنے کا لائنس بھی بارہا معطل ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ڈاؤڈ متعدد بار مریضوں کو وہ دوائیاں بیچتا ہوا پکڑا گیا ہے جس کا سے اختیار نہیں تھا۔ معمولی رقم کے تحت مریضوں کو نشہ آور دوائیاں لکھ کر دیتا رہا یعنی مجموعی طور پر اسکی طبی شعبے میں کوئی ساکھنی نہیں ہے۔ اسی منفی شہرت کے باوجود اس ظلم پر امریکی شہری اسکے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ائر لائنز اور اس کا عملہ خود کھڑھرے میں آن کھڑا ہوا ہے۔ یہ ہے، انسانی حقوق کی پاسداری۔ یہ ہے ایک زندہ سوچ رکھنے والی قوم کا رویہ۔ معدرت کے ساتھ، یہ ہے قانون کی حکمرانی جس میں ایک جرائم پیشہ انسان کے ساتھ بھی طاقتور فریق زیادتی نہیں کر سکتا۔

اسکے بالکل عکس ہمارے نظام پر توجہ دیجئے۔ چند دن پہلے ایک خاندان پی آئی اے کی فلاٹ پر ناروے جا رہا تھا۔ باپ دو بیٹیاں اور انکی والدہ۔ یہ چاروں ناروے کے شہری تھے مگر ان کا تعلق پاکستان سے تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے ڈاکٹر ڈاؤڈ چینی تھا مگر اسکی شہریت امریکہ کی تھی۔ اس خاندان کی ایک لڑکی فوزیہ عمر نے ایف آئی اے کی ایک خاتون سے کہا کہ واش روم میں ٹشوپ پیپر نہیں ہیں۔ ایف آئی اے کی خاتون اہلکار نے بالکل درست جواب دیا کہ انکے مکملہ کا تعلق ٹشوپ پیپر فراہم کرنے سے نہیں ہے۔ مگر یہ بات فوزیہ کو سمجھ نہیں آئی۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ہمارے ملک کا مشکل نظام دراصل ہے کیا۔ اٹھارہ انیس برس کی لڑکی نے غلطی سے اسلام آباد ائر پورٹ کو ناروے کے ائر پورٹ کی طرح سمجھ لیا تھا۔ اس نے خاتون اہلکار کو کوئی تباہی کہہ ڈالی۔ بات بڑھ گئی اور رہا تھا پائی شروع ہو گئی۔ خاتون اہلکار فوزیہ کو تلاشی والے کمرے میں لے گئی اور پٹائی شروع کر دی۔ والدہ کو بھی زد کوب کیا گیا۔ بے عزت کیا گیا۔ وہاں ایک شخص نے اپنے فون سے تمام واقعہ کی ویڈیو بنایا کر سو شل میڈیا پر ڈال دی۔ اس میں نظر آ رہا تھا کہ فوزیہ کی والدہ گریہ کر رہی ہے کہ بیٹی کو جان سے مار دیا جائیگا۔ کوئی اسے بچائے۔ وہاں تمام اہلکار اطمینان سے کھڑے رہے۔ انہوں نے کسی کو آگے نہیں آنے دیا۔ اس ویڈیو میں ایک مسافر کی آواز بھی ہے جو ان خواتین کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ مگر اسکو بھی آگے بڑھنے سے روک دیا گیا۔ کہا گیا کہ اپنے کام سے کام رکھے۔ فوزیہ اور اسکی والدہ کو سبق سکھانے کے بعد انکے خلاف ایف آئی آر درج کروادی گئی۔ انکے پاسپورٹ تحويل میں لے لیے گئے۔ غیر ملکی خاندان ایسے عذاب میں پھنس گیا جو وہ گھر سے نکلتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مسئلہ کی بیانیہ دونوں فریقین کی عدم برداشت تھی۔ اس ویڈیو کو وائرل ہونے میں چند منٹ لگے۔ ہر شخص نے اپنے حساب سے اس بدقسمت واقعہ کی تشریح کی۔ گزارش ہے کہ عدم برداشت، شدت، پسندی اور جذباتیت، یہ وہ امراض ہیں جن سے کوئی پاکستانی شہری اور سرکاری مکملہ مبرانہیں ہے۔ ویڈیو کو بغور دیکھنا چاہیے۔ تھوڑی دیر کیلئے بھول جائیے کہ زیادتی کس نے شروع کی۔ میری دانست میں زیادتی دونوں اطراف سے سر زد ہوئی۔ ویڈیو میں ایک جوان لڑکی کی چینیں ہیں جو تلاشی والے کمرے سے برآمد ہو رہی ہیں۔ ایک بوڑھی عورت دیوانوں کی طرح

رو رکر فریاد کر رہی ہے کہ بیٹی پر تشدد ہو رہا ہے، کوئی انکی مدد کو آئے۔ اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ تمام سرکاری عمال بڑے آرام سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ویڈیو کلپ اگر سو شل میڈیا پروڈائل نہ ہوتا تو شائد کسی کو بھی اس المناک واقعہ کا علم نہ ہوتا۔ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا کہ غیر ملکی شہری بھی یہاں سرکاری عذاب سے محفوظ نہیں ہیں۔ مگر معمولی نہ مدت کے بعد کوئی بیانیہ سامنے نہیں آیا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے اس حادثہ کا نوٹس لے لیا۔ یہ شائد سو شل میڈیا کی طاقت ہے جس نے اس واقعہ کو سب کے سامنے رکھ ڈالا۔ سرکاری طور پر کیا ہوا، کیا ہو گا، اسکا ادراک کسی کو بھی نہیں۔ مگر ہر ایک کو یقین ہے کہ کچھ نہیں ہو گا۔ عدیہ کیا فیصلہ کر گی، یہ اہم بات ہے۔ سوچئے، اگر چیف جسٹس اس واقعہ کا نوٹس نہ لیتے تو کیا ہوتا، شائد کچھ بھی نہیں۔

بادی انظر میں ان دونوں واقعات میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ دونوں ائیر پورٹس اور ملک ایک دوسرے سے ہزاروں کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ غور سے دیکھیے تو دونوں واقعات بالکل جڑے ہوئے ہیں۔ مگر دو عمل انہیں مختلف بنادیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مجموعی طور پر ہمارے ملک میں امریکہ کے خلاف منقی جذبات کثرت سے موجود ہیں۔ مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ وطن عزیز کا تقریباً ہر شہری امریکی ویزہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امریکی شہری بننا چاہتا ہے۔ جواب تلاش کرنا بہت آسان ہے۔ لوگوں کو مغربی نظام بہتر محسوس ہوتا ہے۔ وہاں اپنے اور اہل خانہ کو محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اگر ڈاکٹر ڈاؤ کی طرح کسی نے ان سے زیادتی کی، تو پورا سماجی، اخلاقی اور انتظامی نظام انکی مدد کیلیے کھڑا ہو جائیگا۔ انکا ماضی کچھ بھی ہو، حقوق محفوظ رکھنے کا شعور مضبوط طریقے سے نظام میں موجود ہے۔ اگر ڈاکٹر ڈاؤ پاکستان میں ہوتا اور زبردستی جہاز سے باہر نکالا جاتا تو کیا ہوتا۔ کچھ بھی نہیں۔ معمولی سی سرکاری سرزنش اور پھر وہی کاروبار زندگی۔ دوسری طرف اگر فوزیہ اور اسکی والدہ کو امریکہ میں کسی ائیر پورٹ پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا، تو کیا رد عمل ہوتا۔ پورا امریکی نظام فوزیہ کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ غلطی کے تعین کے بعد کوئی اہم کاربھی آرام سے نہ رہ پاتا۔ نوکری سے برخاستگی یا کوئی بھی دوسری سزا فوری طور پر سنا دی جاتی۔ اگر فوزیہ امریکی ائیر پورٹ پر ہوتی، تو اسے بھی اپنے مشکل رو یہ کی سزا ملتی۔

امریکی اور پاکستانی معاشرے کا قطعاً مقابلہ نہیں کر ریا۔ طالب علم کی دانست میں اس طرح کا تقابلی جائزہ عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے۔ ہر کوتا ہی کے باوجود ایک ملک قومی شعور رکھتا ہے کہ شہریوں کی حفاظت کرنی ہے۔ اور دوسرے ملک تمام تردیوں کے باوجود عملی طور پر سنجیدگی، متنانت اور نفاست سے براہوچکا ہے۔ ہمارا ہر شہری اور ادارہ غصہ میں ہے۔ ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے گریبان پر ہے۔ ہر ایک کا دامن چاک ہے۔ کسی کے پاس بھی بنیادی حقوق میسر نہیں ہیں۔ ہر ادارہ اور شخص محفوظ نظر آنے کے باوجود مکمل طور پر غیر محفوظ ہے۔ مجھے اگلی دو صدیوں میں بھی حالات بہتر ہوتے نظر نہیں آتے۔ ہو سکتا ہے کہ غلط ہوں۔ مگر قومی شعور اس درجہ ناپختہ ہے کہ بہت زیادہ حیرت اور تکلیف ہوتی ہے۔ پر دیکھا جائے تو کوئی حیرت اور تکلیف نہیں ہوتی۔